لبیك اللھم لبیك
اہل تسلیم ورضا کا زمزمہ بار کلمۂ حق

ابن الحسن عباسی

عیدالاضحیٰ کے آتے ہی کئی یادیں، جذبے اور ولولے انگڑائیاں لے کر تازہ ہوجاتے ہیں، عشق ووفا کے سرمدی زمزموں کی صدائے بازگشت چہار سو سنائی دیتی ہے، فرزندانِ توحید کو اجتماعیت کا سبق یاد دلانے والا حج کے روح پرور اجتماع کا منظر سامنے آتا ہے، راہ وفا میں فانی دنیا قربان کرنے کا ایمان افروز موسم ہر سمت چھا جاتا ہے، ایثار وقربانی کا احساس نشوونما پاتا ہے اور عہد ناقہ ومحمل اور نجد وحجاز کی تاریخ ابھر ابھر آتی ہے..... جب بطحا کی بے آب وگیاہ وادی میں ایک مقدس ہستی نے اپنی بیوی اور اپنے جگر گوشے کو اللہ کے حوالے کر کے رخت سفر باندھا اور اس کی فرشتہ صفت اہلیہ کو معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے تو وہ سراطاعت خم کرتی ہوئی کہنے لگیں: ''جس حاکم کے حکم کی تعمیل ہورہی ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا''..... کہ:

جائز نہیں اندیشۂ جان عشق میں اے دل! ہشیار کہ یہ مسلک تسلیم و رضا ہے

دشتِ بے اماں میں اس پیکر رضا کی تنہائی اور کسمپرسی کی حالت یقیناً وہ تھی جو کسی عربی شاعر نے اپنے اس بلیغ شعر میں بیان کی ہے:

كأن لم يكن بين الحجون إلى الصفا أنيس ولم يسمر بمكة سامر

(یوں لگتا ہے کہ حجون سے لے کر صفا پہاڑی تک نہ کوئی میرا غمگسار تھا اور نہ ہی مکہ کی راتوں میں میرے ساتھ کوئی دل بہلاوے کی باتیں کرنے والا تھا)

لخت جگر کی پیاس کی بے تابی نے ماں پر اضطراب اور بے چینی کا کیسا عالم طاری کیا ہوگا.....! وہ کوہ صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار دوڑتی رہیں..... بچے کی تشنگی کی سیمابی مامتا کو تڑپانے اور اس کی تڑپ آسمانوں کو ہلانے لگی تو رحمت الٰہی

خشک زمین سے فوارے کی شکل میں نمودار ہوئی، ایک منٹ میں چھ سو ساٹھ لیٹر نکلنے والا آب زمزم اس وقت سے لے کر اب تک رواں دواں ہے اور اللہ جانے ایک لمحہ میں دنیا کے کتنے تشنہ لبوں کو سیراب کر رہا ہے.....؟ صدیاں گزر گئیں، صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار سعی کی وہ ادا آج بھی جاری ہے، بلاشبہ ایمان کی قوت، ناقابل شکست اور اس کے برگ و بار کی یادگاریں لافانی ہوتی ہیں۔

معمارِ حرم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پاکباز زندگی کے قدم قدم پر ایمان و یقین کی ان گنت نشانیاں فکر و وجدان کی تاریک راہوں کو روشن کرتی اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم کا پتہ دیتی ہیں..... حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ایمان و یقین سے بڑھ کر کوئی قوت، کوئی طاقت اور کوئی تسخیر آج تک حاصل ہوئی، نہ ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین ہی ڈوبتی کشتی کو ساحل عطا کرتا، منزل غم کی سختیوں کو پامال کرتا، مولے کو شہباز سے ٹکرانے کا حوصلہ بخشتا اور آگ کے شعلوں کو ہوائے چمن کے جھونکوں میں بدل دینے کا اعجاز دکھاتا ہے..... یہ کوئی جذباتی لفظوں کی ہیرا پھیری یا انشا پردازی کا بے حقیقت غلغلہ ہرگز نہیں، بلکہ دلوں کو گرمانے اور روح کو وجد میں لانے والی یقین و ثبات کی یہ داستانیں تاریخ کے چپے چپے پر بکھری پڑی ہیں..... حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو وہ گلزار میں ڈھل کر اندازِ گلستان پیدا کر گئی۔

یہ بات نہیں کہ دنیا میں مردِ مومن کو ظاہری شکست نہیں ہوتی، یہ بھی نہیں کہ اس کے راستے میں سنگ گراں رکاوٹ نہیں بنتے، یہ بھی نہیں کہ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون نہیں ہوتا، آپ خود سوچیں کہ اگر ماتمِ شکست کی بجائے اس کے حصے میں ہمیشہ فتوحات کا جشن آئے، آبلہ پائی کی بجائے اس کے قدم سدا پھولوں کی سیج پر گل فشانی کا لطف لے، خواہشات اور شیطانی ستم کے خار سے زندگی تار تار ہونے کی بجائے اس کی ہر امید بھر آتی رہے اور ناکامیوں کی بجائے اس کے جہادِ زندگانی کو صرف کامیابیوں ہی کی سوغات ملے تو ایسی صورت میں کون ہے جو ایمان کی راہ روی کا دعویٰ نہیں کرے گا! چونکہ مومن کے ایمان خالص اور منافق کے نفاق کو ظاہر کرنا خبہ وری ہے، اس لئے ابتلاء اور آزمائش کی کسوٹی پر دعویٰ ایمان کے کھوٹے اور کھرے پن کو آزمانا اللہ کی سنت ہے، سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے:..... ''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ (ایسا نہیں، وہ ضرور آزمائے جائیں گے) ہم تو انہیں بھی آزما چکے جو ان سے پہلے گزرے''..... لیکن جس شخص کا ایمان جس قدر مضبوط، جس قدر مستحکم اور جس قدر قوی ہوگا، اسی قدر اس کی آزمائش اور ابتلاء کا مرحلہ بھی سخت ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے:..... ''أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل''..... ''لوگوں میں انبیاء کی آزمائش سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے، پھر جو انبیاء کے جتنا قریب ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوگی''..... اس لئے ایک مومن کی زندگی میں ظاہری ناکامیاں بھی آتی

ہیں اور اپنی اجل موعود پر وہ فانی دنیا سے روپوش بھی ضرور ہوتا ہے، لیکن اس کے ایمان کی خوشبو دائمی اور اس کے ذکرِ خیر کا گلشن سدا مہکتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو لے لیجئے، ان کی آزمائش کا ایک مشکل ترین مرحلہ اکلوتے فرزند کی قربانی کا تھا، خواب میں انہیں فرزند ذبح کرنے کا حکم ملا، اس کی تعمیل میں کسی حیل وحجت کے بغیر بیٹا اپنی جوانی اور اپنی امنگوں کی دنیا اور باپ اپنی سو سالہ دعاؤں کا نخل تمنا قربان کرنے صبح کے دھندلکے ہی میں شاداں شاداں روانہ ہوگئے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسمٰعیل

قرآن کریم کی سورۃ الصفات میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

''وہ لڑکا جب آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر تک پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو، تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے، ابا جان، جو حکم آپ کو دیا گیا ہے، اسے کر ڈالئے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، پھر جب دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندا دی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان، ہم نے ایک عظیم ذبیحہ فدیئے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔''

(سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲-۱۱۱)

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس موقع پر بہکانے کی کوشش کی لیکن آپ نے ہر بار سات کنکریاں مار کر اسے بھگا دیا، وفا اور سر تسلیم خم کرنے کی اس تاریخ ساز کامیابی کی یادگار کے طور پر وادی منیٰ میں حجاج کرام ہر سال اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے اتارا گیا ایک مینڈھا ذبح کیا گیا، عیدالاضحیٰ میں قربانی کی یہ سنتِ ابراہیمی بھی اسی وقت سے چلی آرہی ہے، صحابہ نے پوچھا حضور! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ تمہارے ابا حضرت ابراہیم کی سنت ہے''..... اور فرمایا کہ استطاعت کے باوجود جو شخص قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کا رُخ نہ کرے اور ان تین دنوں میں قربانی سے بڑھ کر کوئی دوسرا نیک عمل اللہ کو محبوب نہیں۔

مغرب سے متاثر ہونے والے بعض جدید ذہنوں میں قربانی سے متعلق یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے وہ رقم کسی غریب مسکین کو دی جائے تو اس کا بھلا ہوگا، غریب کے ساتھ ہمدردی کا یہ جذبہ اپنی جگہ، لیکن ایک عبادت کو اس جذبے کی بھینٹ چڑھانے کا مطلب اپنی سوچ، اپنی رائے اور اپنی فکر کی غلامی کے سوا کچھ بھی نہیں، رب کی

ہندوستان میں فقہ اسلامی کا ارتقاء

حافظ مہر محمد

فقہ کے لفظی معنی سمجھ، دانش کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں وہ مقدس علم ہے جس میں مسلمان کے تمام وہ اعمال زیر بحث آتے ہیں، جو دنیا و آخرت میں سرخروئی کے لئے اسے کرنے پڑتے ہیں اور ان کا جائز و ناجائز ہونا اسی علم سے معلوم ہوتا ہے، اس علم کا ماخذ براہ راست کتاب اللہ، سنت نبویؐ، اجماع امت، اقوال صحابہ کرامؓ اور قرآن وسنت میں غیر مذکورہ و بے تصریح نئے پیش آمدہ مسائل میں شرائط اجتہاد سے بہرہ ور فقہاء و مجتہدین کے استنباطات اور آراء ہوتی ہیں۔

یہ علم مسلمانوں کی تہذیب وارتقاء اور تمدنی معاشرتی مسائل کا لازمی نتیجہ اور ان کا بہترین حل ہے، قرآن پاک نے تفقہ فی الدین، تدبر فی القرآن پر زور دیا ہے، مثلاً:

﴿وما كان المومنون لينفروا كافة فلو لا نفر من كل فرقة طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم﴾(پ ۱۱– ع ٤)

''سب مسلمانوں کو جہاد کے لئے کوچ کرنا مناسب نہیں، ہر جماعت سے کچھ لوگ جائیں (باقی) دین میں سمجھ اور تعلیم حاصل کریں تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ واپس آئیں''۔

﴿افلا يتد برون القرآن ام علىٰ قلوب اقفالها﴾(پ ٢٦– ع ٨)

''یہ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں''۔

جو اہل علم قرآن وسنت سے مسائل نکالنے میں دلچسپی اور استنباط کا فریضہ شرعی سرانجام دیتے ہیں، خدا نے ان کی مدح سرائی کی ہے اور عوام الناس کو پابند بنایا کہ وہ قرآن وسنت اور علماء مجتہدین کے فتاویٰ کی طرف رجوع کریں، ان پر اعتماد کر کے ان کی پیروی کریں، اسے ہی مذہب وعرف میں ''تقلید ائمہ مجتہدین'' کہا جاتا ہے۔